عمر بھر کی بے قراری کو قرار آ ہی گیا

سعود عثمانی

یہ ۱۹۹۶ء کی بات ہے جب یارِ دلنواز وطرحدار معین نظامی کی نظموں کا مجموعہ تجسیم ظہور پذیر ہوا۔ وہی معین نظامی جن کے نام کو بعد میں ماشاء اللہ پروفیسر، ڈاکٹر، صدرِ شعبۂ فارسی، محقق، دانشور وغیرہ کے سابقے لاحق ہو گئے۔ اعلیٰ اور منفرد نظموں کی اِس کتاب تجسیم کی تقریبِ پذیرائی کا اہتمام برادرم وحیدالرحمٰن خان نے ملتان میں کیا۔ وحیدالرحمٰن (اب ڈاکٹر) انہی دنوں اورینٹل کالج سے تازہ تازہ فارغ التحصیل ہوئے تھے۔ ان کا بے پایاں محبت اور خلوص اسی وقت سے میرے ہمراہ رہا ہے اور میں اپنی تمام تر بدتمیزیوں اور کم توفیقیوں کے باوجود اس سرمائے کی قدر کرتا رہا ہوں۔ وحیدالرحمٰن صاحب نے مجھے بھی ازراہِ کرم تجسیم کی اِس تقریب میں شرکت اور مضمون پڑھنے کی دعوت دی۔ اور سچ یہ ہے کہ اس سفر میں ملتان اور اہلِ ملتان کے ادبی رخ کا اندازہ ہوا۔ جناب حفیظ الرحمٰن خان اور ان کے خوش ذوق فرزندان کے علاوہ ڈاکٹر اسلم انصاری، خالد مسعود، مستحسن خیال، مختار پارس، ڈاکٹر مختار ظفر اور دیگر حضرات ایسے نام ہیں جن سے بعد کے روابط میں ہمیشہ دل و دماغ کو آسودگی میسر آتی رہی ہے۔

لیکن ایک ملاقات ان سب پر حاوی ہوگئی۔ ملتان پہنچنے کے فوراً بعد ایک صاحب سے تعارف ہوا جو نوجوانی اور جوانی کی سرحد پر کھڑے تھے۔ لمبا قد، دبلا پتلا جسم، باریش، پتلے فریم کی عینک، آنکھوں میں تھرکتی ذہانت اور ہونٹوں سے پھوٹتے جملے۔ سادگی کے باوجود وضع قطع کسی دینی مدرسے کے ایک خوش نسب طالب علم کی۔ ان کا سید ذوالکفل بخاری کے نام سے تعارف کرایا گیا۔ مجھے یاد ہے کہ مزید تعارف سے قبل ہی ہم سب سمجھ گئے تھے کہ ان کا تعلق کسی عالی مرتبت گھرانے سے ہے۔ ویسے بھی ملتان میں اگر کسی کے نام کے ساتھ بخاری جڑا ہو تو ممکن ہی نہیں کہ پہلا خیال امیرِ شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے خانوادے کے علاوہ کسی طرف جائے۔ یہ وہ گھرانہ تھا جس کا بڑی عزت و احترام سے ذکر کرتے میں نے اپنے بزرگوں کو دیکھا تھا اور حضرت شاہ صاحبؒ کی خطابت کے بعض ایسے واقعات بھی ان سے سنے تھے جو عموماً کتابوں میں بھی دستیاب نہیں ہیں۔ عالمِ اسلام کے نامور اور باکمال خطاط اور ہمارے مشفق و مہربان جناب سید نفیس الحسینی نفیس رقم صاحبؒ کے دولت کدے پر اور اپنے ادارۂ اسلامیات میں سید عطاء المحسن بخاری اور سید عطاء المہیمن بخاری کی باکمال شخصیات سے فیض یاب بھی ہو چکا تھا۔ اس لیے اُن کی خوش ذوقی، خوش گفتاری اور وسعتِ مطالعہ پر تو چنداں حیرت نہ ہوئی کہ یہ اس گھرانے کی خصوصیات ہیں لیکن یہ بات ضرور باعث حیرت تھی کہ ذوالکفل نہ صرف جدید معاصر شاعری پر بھرپور نظر رکھتے ہیں بلکہ خود اعلیٰ درجے کے شاعر ہیں۔

اس ملاقات نے آئندہ کی بہت سے ملاقاتوں کے در وا کر دیے۔ میری شاعری کی پہلی کتاب ''قوس'' شائع ہوئی تو انھوں نے فون پر تفصیلی تبصرہ کیا اور بھرپور داد سے نوازا۔ میں نے اس گفتگو میں بھی یہ محسوس کیا کہ وہ کتاب سے سرسری نہیں گزرے اور انھوں نے شاعر کی کیفیات تک پہنچنے کی سعی کی ہے۔ اور کتابوں کے معاملے میں ان کا یہی رخ ہمیشہ دیکھنے میں آیا۔ شعر کے رد و قبول کا فیصلہ ان کا تربیت یافتہ شعور کرتا تھا اور وہ اس معاملے میں کسی بھی طرح کی تنگ دلی روا نہیں رکھتے تھے۔ خود اپنی شاعری کے بارے میں وہ کڑی نگاہ رکھنے والے شعرا میں تھے اور کہہ کر مطمئن ہو جانے والوں میں نہیں تھے۔ یہی سبب ہے کہ ان کا کلام

بہت کم چھپا ہوا دیکھا ہے۔

ان سے میری طبیعت کھلتی تھی۔ شاعری کے علاوہ ہمارے درمیان بے شمار مشترک اقدار تھیں۔ مسلک علمائے دیوبند اکابرین سے محبت، دینی مدارس سے وابستگی اور علمی کتابیں۔ میری ان سے متعدد بار گفتگو ہوئی اور یہ تاثر ہمیشہ مزید گہرا ہوا کہ وہ ان معاملات کا مکمل شعور رکھتے ہیں۔ اور ان کی سوچ میری خیال سے ہم آہنگ ہے۔ وہ دینی مدارس کے نظریاتی اور عملی تشخص کو برقرار رکھتے ہوئے ان میں اصلاحات کے قائل تھے اور اس کے لیے کوشاں بھی۔ ان کے سعودی عرب چلے جانے کے بعد ان سے رابطہ کم ہوگیا۔ ویسے بھی وہ میرے ان دوستوں میں تھے جن سے ملاقاتیں کم اور تعلق گہرا ہوتا ہے۔ وقتاً فوقتاً ان کا فون یا پیغام ملتا رہتا تھا۔ پاکستان آنے پر وہ مجھے یاد رکھتے تھے اور ایسا تو غالباً کبھی نہیں ہوا کہ لاہور آئے ہوں اور مجھے ملاقات کا شرف نہ بخشا ہو۔ ایک ڈیڑھ سال قبل جب وہ چھٹیوں پر ملتان آئے تو مجھے فون کیا۔ اس بار ان کی آواز اور لہجے میں دکھ اور افسردگی نمایاں تھی۔ ان دنوں عمِ مکرم حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی دامت برکاتہم کے خلاف جو محاذ آرائی کی گئی تھی اور جس طرح اس میں کئی ایک عناصر کی جانب سے ذاتی عناد، حسد اور مخاصمت کے رویے سامنے آئے تھے، ذوالکفل اس سے بہت زیادہ دکھے ہوئے تھے۔ وہ مخالفین کی تقریری و تحریری غیر شائستگی، بھونڈے پن اور تذلیل پر مبنی طریقِ کار کا بار بار ذکر کرتے اور اس پر اپنے غم و غصے کا اظہار بھی۔ سعودی عرب میں رہتے ہوئے انھیں بہت سی نامکمل اطلاعات تھیں اور وہ جاننا چاہتے تھے کہ مولانا تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کی جانب سے اعتراضات کے جواب میں کوئی تحریر سامنے آئی ہے۔ میں نے انھیں مجمل طور پر پس منظر اور واقعات سے آگاہ کیا۔ انھیں دنوں عمِ مکرم نے دارالعلوم اسلامیہ میں منعقدہ علماء کی ایک نشست میں واقعات کا پس منظر اور اعتراضات کے بارے میں اپنا فقہی مؤقف تقریباً تین گھنٹے کی گفتگو میں واضح کیا تھا۔ اور وہ کتابی شکل میں شائع بھی ہوگیا تھا۔ میں نے ذوالکفل کو اس کتاب سے آگاہ کیا۔ انھوں نے یہ کتاب اور اس گفتگو کی ریکارڈنگ حاصل کی اور بعد میں ہونے والی ملاقات میں مجھ سے اس بات کا اظہار بھی کیا کہ وہ مولانا تقی عثمانی صاحب مدظلہم کے فقہی مؤقف کی تائید میں اپنے دائرہ کار میں کام بھی کرتے رہے ہیں۔

ستمبر ۲۰۰۹ء رمضان المبارک ۱۴۳۰ھ میں وہ آخری بار لاہور تشریف لائے اور حسبِ روایت مجھے فون کیا انھوں نے میری یہ درخواست قبول کی کہ وہ میرے ساتھ ہی افطار کریں۔ اس شام میرے گھر پر ہم نے تین چار گھنٹے ایک ساتھ گزارے۔ میں نے اپنی شاعری کی دوسری کتاب بارش انھیں پیش کی جو وہ پہلے ہی ملتان میں دیکھ چکے تھے۔ شاعری سننے سنانے کا دور بھی چلا۔ انھیں ایک اور جگہ پہنچنا تھا لہٰذا چند گھنٹوں کے بعد انھوں نے اجازت چاہی۔ اللہ تعالیٰ کے فیصلوں کی خبر کس کو ہے سو یہ وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ یہ ملاقات آخری ہے اور اب ان کے بعد ان کی یادوں سے ملاقات ہی ممکن ہے۔ ان کی ناگہانی شہادت کی اطلاع مجھے اخبار سے ملی اور وحیدالرحمٰن صاحب سے اس خبر کی تصدیق ہوگئی۔ بعد میں برادرم سید کفیل بخاری صاحب سے مزید تفصیلات علم میں آئیں تو اندازہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اس پاک نفس دوست کے لیے اعلیٰ مقام طے کر رکھا تھا۔ لہٰذا ان جاں گداز ساعتوں سے جس طرح ذوالکفل کو سبک اور سہل گزارا گیا وہ قابلِ رشک ہے۔ حرمِ مکہ میں فجر کی نماز سے متصل نماز جنازہ ہوئی اور جنت المعلیٰ میں تدفین۔ وہ کارروائیاں جن میں بہت کاوش اور کئی دن درکار ہیں آناً فاناً پوری ہوگئیں اور راستے کھلتے چلے گئے۔

دارِ بنی ہاشم ملتان میں آنکھ کھولنے والا بچہ احاطۂ بنی ہاشم جنت المعلیٰ میں اپنی ماں حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے پائنتی آسودۂ خاک ہوا۔ ملتان سے مکہ تک کا یہ سفر واپسی کا سفر تھا۔ چودہ سو تیس سال قبل آغاز ہونے والا ہجرت در ہجرت کا یہ سفر بالآخر تمام ہوا۔

جان ہی دے دی جگر نے آج پائے یار پر
عمر بھر کی بے قراری کو قرار آ ہی گیا